

اُردو نعتیہ قصیدہ: موضوعاتِ تشبیب اور ان کے تخلیقی محرکات
 (Urdu *Na'tiya Qaṣīda*: Themes of *Tashbīb* and their
 Creative Stimulations)

Navid Ahmad

Doctoral Candidate Urdu, AIOU, Islamabad/Assistant Professor of Urdu, Govt.

Faridia Graduate College Pakpattan

Dr. Rukhsana Bibi

Post-Doctoral Researcher, University of Oxford, UK/ Assistant Professor of Urdu,

GC Women University, Faisalabad

Dr. Shehzad Ahmad

Assistant Professor, Tariq Bin Ziyad College, Karachi

Abstract

Qaṣīda is a significant genre of poetry. It was mainly devoted to eulogizing kings, heroes, nobles, Prophets, sages and saints. Urdu *Na'tiya Qaṣīda*, a subgenre of Urdu *Qaṣīda*, praises Prophet Muhammad (ﷺ). It has a variety of themes. *Tashbīb* is a part of *Na'tiya Qaṣīda*. It consists of complex stanzas that serve a preceding event or introduce what follows. Urdu poets have fully demonstrated their artistic and poetic skills in *Na'tiya Qaṣīda*. This paper studies the themes of Urdu *Na'tiya Qaṣīda* and its creative stimulations. It explores that different themes are there in *Tashbīb* of *Na'tiya Qaṣīda*. There are *Tashbīb*s with spring, wisdom, advice, morals, adoration, pride, civilization, philosophy, grievances of the time etc. The theme of spring landscaping has been written by different poets in different styles, which is adorned with high imagination,

exaggeration, forcefulness and majestic rhetoric. Adoring *Tashbīb* aims at getting the attention of the readers. The themes of pride and grievances of the time actually show the poet's sense of inferiority. *Munīr Shikohabādī* and *Mohsin Kākorvī* expanded the canvas of *Na'tiya Qaṣīda* by adopting the themes related to politics and local Indian civilization. *Azīz Lucknowī*, *Nazm Tabātabā'ī*, *'Alī Hāmid Sandelvī*, *Farīd Mānak Pūrī* and *Iqbāl Sohail* wrote philosophical thoughts on the creation of the universe and on life and death. *Khālid Ahmed* has introduced the features of modern *Qaṣīda* by adopting simplicity in various *Bahāriya Tashbīb*s, but there is still ample scope for new experiments in this genre of Urdu Poetry.

Key Words: Urdu *Na't*, *Na'tiya Qaṣīda*, themes, stimulations

تمہید

قصیدہ وہ صنف سخن ہے، جو ایک شاعر کو درجہ استناد عطا کرتی ہے۔ شاعری کی تکمیل خاص قصیدے کی مشق و مہارت پر موقوف ہے، جس شاعر نے قصیدے میں کمال بہم نہیں پہنچایا وہ مسلم الثبوت نہیں سمجھا گیا۔¹ جہاں تک قصیدے کے مزاج، اُس کے اجزائے ترکیبی اور ہیئت کا تعلق ہے، تو اس اعتبار سے قصیدہ وہ مسلسل نظم ہے، جس کا پہلا شعر ہم قافیہ ہوتا ہے، اور یہ ایک ہی بحر اور وزن میں لکھی جاتی ہے۔ اہل ایران نے قافیے کے بعد ردیف کا رواج ڈالا۔² قصیدے میں اہل عجم نے شکوہ لفظی، زور بیان اور بلند تخیل کو مخصوص کیا، جس کی وجہ سے قصیدے کی طرف عالی دماغ ہی مائل ہوئے۔ جہاں تک قصیدے کی فنی اقسام اور بنت کا تعلق ہے، تو اس کی دو اقسام ہیں: 1- تمہید یہ 2- خطابیہ۔ خطابیہ قصیدہ صرف مدح پر مبنی ہوتا ہے، جب کہ تمہید یہ ایک ہی بحر اورے قافیے کے تحت چار اجزا یا اراکین میں لکھا جاتا ہے۔ تمہید یہ قصیدے کی توضیح میں ڈاکٹر ام ہانی اشرف لکھتی ہیں:

تمہید یہ قصائد کو ہی بیانیہ، تشبیہیہ اور غزلیہ بھی کہتے ہیں، اسی طرح اس کے تعمیری ڈھانچے میں چار ارکان شامل ہیں: 1- تشبیہ 2- گریز 3- مدح یا مذمت 4- دُعا۔³

مذکورہ چاروں اراکین کا باہم مربوط ہونا ضروری ہے۔ قصیدے کا پہلا رکن تشبیہ ہے۔ تشبیہ کا لفظ شباب سے نکلا ہے۔ نام کے لحاظ سے یہ عشقیہ مضامین کے لیے مختص ہے، مگر اب یہ پابندی رائج نہیں۔ تشبیہ کو نسیب بھی کہا جاتا ہے۔ اہل عرب مدحیہ

¹ مولوی نجم الغنی رام پوری، بحر الفصاحت، مرتبہ۔ سید قدرت نقوی (لاہور: مجلس ترقی ادب، 2011ء)، 1: 172۔

² ڈاکٹر خواجہ اکرام، اردو کی شعری اصناف (دہلی: الایڈیٹریڈرس، سن 6)۔

³ ڈاکٹر ام ہانی اشرف، اردو قصائد کا سماجیاتی مطالعہ (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، 1999)، 15۔

قصائد میں پہلے عشقیہ اشعار لکھا کرتے تھے، لیکن عرب کے بعد ایران اور ایران کے بعد ہندوستان میں فارسی وارد کے لیے یہ نوعیت مضمون مخصوص نہیں رہی، بلکہ ہر تمہید کو جس میں خواہ حسن و عشق کا مذکور ہو یا بہار و خواب کا تذکرہ ہو، سب کو تشبیب ہی کہنے لگے۔⁴

موضوعات تشبیب کے سلسلے میں ایک شاعر کو انتخاب کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ اس کا مثبت پہلو یہ ہے کہ شاعر اپنے تخیل کو وسعت دے سکے اور اپنے شعبہ دسترس کو کام میں لا کر قصیدے میں دلچسپی کا عنصر پیدا کر سکے۔ تشبیب میں شعر کے پاس منظر نگاری اور محاکات نگاری کا وسیع کینوس موجود ہوتا ہے، جس کے ذریعے وہ اپنی قادر الکلامی اور فکری اہمیت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ عرب و عجم کے شعرا نے موضوعات تشبیب کے حوالے سے اپنے اپنے تہذیبی ماحول سے اثرات قبول کیے ہیں۔ عربی شعرا نے ریگ زاروں، نخلستانوں، جنگجوزوں اور قافلوں کی آمد و برخاست کے مناظر کا نقشہ کھینچا، تو اہل فارس نے ایرانی موسموں، گل و بلبل اور اپنے ماحول کی تصویر کشی کی۔⁵ اردو قصائد کی تشبیب میں بھی موضوعات کی رنگارنگی موجود ہے۔

ایک تخلیق کار اپنی سماجی زندگی کے خارجی عوامل سے کٹ کر زندگی نہیں گزار سکتا۔ وہ کتنا ہی جانب دار رہنے کی کوشش کیوں نہ کرے اُس کے ذہن کے نہاں خانوں میں کہیں نہ کہیں قبولیت یار کا ایک احساس بیٹھ جاتا ہے، جس کا اظہار کسی نہ کسی موقع پر ضرور کرتا ہے۔ تخلیق کار کی زندگی کے خارجی واقعات کے علاوہ اس کی شخصیت اور تخلیقی ذہن کی تشکیل کرنے والے عوامل کے تعین سے زندگی کے اہم سماجی و نفسی وقوعات اور حوادث کا سراغ لگا کر ہی ادبی تخلیقات کا جائزہ بہتر انداز میں لیا جاسکتا ہے۔⁶

کوئی تخلیق کار جب کسی تخلیق کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ذہن میں کچھ مقاصد ہوتے ہیں جنہیں تخلیقی محرکات سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اگر یہ محرکات نہ ہوں تو تخلیق کا وجود اپنی معنویت کھو بیٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر تخلیق ایک مقصد کے تحت ہے اور اس کے پس پردہ ایک حکمت موجود ہے۔ یہ کائنات، یہ نظام شمسی اور یہ آسمان بے مقصد پیدا نہیں کئے گئے۔ ستاروں کی گردش دن رات کو وجود عطا کرتی ہے۔ سورج کی روشنی ہماری غذائی ضروریات پوری کرتی ہے۔ انسان کی پیدائش کا بھی ایک مقصد ہے، اور وہ یہ کہ اللہ کی بندگی کرے اور حدود اللہ کو قائم کرے۔ اسی طرح انسان کی تخلیقات بھی ایک خاص مقصد کی تکمیل کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ انسان نے جب سوئی بھی بنائی تو اس کے پیش نظر پیوند کاری کا تصور موجود تھا۔ یہی صورت حال ادبی تخلیقات کی ہے۔ ایک شاعر یا ادیب اپنی تخلیق کے ذریعے کبھی اپنے احساسات لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہے، کبھی اپنی صلاحیتیں منوانے کا خیال اس کے ذہن میں ہوتا ہے اور کبھی وہ اصلاح کے نقطہ نظر سے معاشرتی ناہمواریوں کو تنقید کا نشانہ بنانے کے لیے اپنا قلم اٹھاتا ہے۔

قصیدے کی صنف بحیثیت مجموعی شعر کے لیے سرکار دربار سے مادی منفعت کا ایک بڑا ذریعہ رہی ہے۔ نعتیہ قصیدے کے اپنے تخلیقی محرکات ہیں۔ یہ اپنے اندر عقیدت کے جذبات، سیرت طیبہ کی عظمت اور جمالِ نبی ﷺ کی نظر نواز رعنائیوں کے

⁴ مولوی جلال الدین احمد، تاریخ قصائد اردو (الہ آباد: مطبع انوار احمدی، سن)، 10۔

⁵ ڈاکٹر سعادت سعید، "اردو قصیدہ کا تہذیبی و فنی مطالعہ" (مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، پنجاب یونیورسٹی، 2007)، 44۔

⁶ ڈاکٹر سلیم اختر، تنقیدی دبستان (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1996ء)، 160۔

تخلیقی محرکات سے مملو نظر آتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ نعتیہ قصیدے کے تشبیہ میں موضوعات کا جو ایک وسیع منظر نامہ موجود ہے، اس کے پس پردہ کون سے عوامل کار فرما ہیں؟ یہ مضمون نعتیہ قصیدے کے انھی موضوعاتِ تشبیہ اور ان کے محرکات و عوامل کو دریافت کرنے کی کوشش ہے۔

آمد بہار کا موضوع

اردو کے نعتیہ قصائد کی تشبیہ میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والا موضوع، بہار یہ منظر نگاری پر مبنی ہے۔ یہ موضوع نعت سے مناسبت بھی بہت رکھتا ہے۔ نعت مدح رسول کریم ﷺ ہے کہ جن کی آمد خزاں رسیدہ سماج کے لیے بہار ثابت ہوئی۔ معاشرتی برائیوں کے خاتمے کے لیے گئے؛ ایثار و وفا کے گلاب اگائے گئے؛ امن اور خوش حالی کی خوش بو چار دانگ عالم میں پھیل گئی؛ باطل کا دور ختم ہوا اور اس کی جگہ سچائی کی تازگی نے لے لی؛ رواداری، اخوت اور عالمی بھائی چارے کی نشوونما ہوئی اور احترامِ آدمیت کے پڑمردہ شجر پر نئی کونپلیں پھوٹیں؛ فخر و غرور اور طبقاتی بڑائی کے حنظل مستاصل ہوئے اور انصاف اور مساوات کی خوش نمائیل منڈھے چڑھنے لگی۔ الغرض جس موسم اپنے انجام کو پہنچا اور بادِ صبا و شمیم نے فکر انسان کو پاکیزگی عطا کی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر شعرا نے اپنے نعتیہ قصائد کا آغاز موسمِ بہار کی معجز نوائیوں سے کیا ہے۔ چونکہ بہار کا منظر ہر دور اور ہر دیار کے نعتیہ قصیدے کے لیے مرغوب رہا ہے، اس لیے اس کو سدا بہار موضوع قرار دیا جاسکتا ہے۔ دکنی دور میں علی عادل شاہ ثانی جو شاہی مستخلص کرتے تھے۔ انھوں نے بہار یہ تشبیہ میں جشنِ نوروز کی بہار کا ذکر کیا ہے۔ سورج دولہا بنا ہے اور اس نے زری کا لباس زیب تن کیا ہے۔ ستارے بار تپتی ہیں، اُس نے ثریا کا سہرا باندھا ہے۔ مشتری نے مشاگلگی کرتے ہوئے ہلدی کا لیپ لگایا ہے؛ ابر نے درختوں کو مشروب پلایا ہے؛ گل چنبیلی اور زرخس کھلے ہوئے ہیں؛ خوش الحان پرندے گنگنا رہے ہیں اور مور ناپتے پھرتے ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

ہوا پروا منجے کا کرتاریاں کا گٹ تپیر
مشاطا مشتری ہو کر ہلد سورج لگایا ہے
پنکھی خوش مغز ہو سیارے اپس میں اپ لگے گانے
میوراں ناپتے ٹھارے بدل بردنگ بجایا ہے
گلابی پھول پر دعویٰ لگیا کرنے سمن سینی تی
کہیا مالی نکر دعویٰ بڑا و ناؤں پایا ہے
وہ بولیباغ مالی سوں بڑا ہے ناؤں سوکس کا
کہیا وہ اسم احمد کا جنے دیں اپ نپایا ہے⁷

یہ ایک عمدہ بہار یہ تشبیہ ہے جسے شاعر نے اپنے تخیل کے رنگوں سے دل آویزی بخشی ہے۔ اگرچہ تشبیہ ہذا میں قدیم اردو لہجہ غالب ہے، لیکن منظر نگاری میں شاہی نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ بہار یہ منظر کشی میں مومن نے بھی کمال مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ مومن نے اکتالیس شعروں کی ایک بھرپور بہار یہ تشبیہ کہی ہے جس میں انھوں نے نسیم گلشن کے معجز نوا اثرات، چمن کی صفائی اور ہوائے چمن کی مشاگلگی کو مرصع انداز میں بیان کیا ہے۔ مبالغہ، نازک خیالی، بلند تخیل اور ندرت فکر اور زور بیان کی حامل یہ تشبیہ طب اور نجوم کی اصطلاحات سے بھی مزین ہے۔ طبی اصطلاحات میں کابوس، صالح الکیموس، ایلاؤس، شاموس، کیلوس، اصل السوس، مغز فلوس اور مبطوں کا شاندار استعمال دیکھنے میں آیا ہے۔ مثالیں دیکھیے:

زہے فریب صفا! خاک بیز ہے گلچیں
پڑے جو وسعت گلزار میں گلوں کے عکوس

7 علی عادل شاہ ثانی شاہی، کلیات شاہی، مرتبہ۔ سید مبارز الدین رفعت (علی گڑھ: انجمن ترقی اردو، 1962ء)، 103 تا 105۔

چمن کی خاک سے گلگونہ اب بناتے ہیں
عجب نہیں کہ بسان گس غسل اگلے
قوائے نامیہ کو ناگوار سے کتنا
شگفتہ تادم رخصت بھی ہو عذار عروس
گر ان دنوں ہو کوئی مبتلائے ایلاؤس
کہ ہضم رابعہ محتاج ہو سوئے کیلوس⁸

یہ تشبیہ مومن کی علمی وسعت، فنی چٹنگی اور قادر الکلامی کو اجاگر کرتی نظر آتی ہے۔ قصیدے کا لفظی شکوہ جو اُس دور میں قصیدے کے فنی معیار اور کامیابی کی دلیل بن چکا تھا، اس میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ مومن کو طب اور علم نجوم میں دست گاہ حاصل تھی۔ کمال یہ ہے کہ انھوں نے ان اصطلاحات کو کامیابی سے برتاہی نہیں بلکہ ان سے شعریت کے حامل عمدہ اشعار تخلیق کیے ہیں۔ اسی قبیل کی ایک خوب صورت بہاریہ تشبیہ مولانا قاسم نانوتوی (م 1880ء) کے نعتیہ قصیدے کی زینت بنی ہے۔ بہاریہ کریم ﷺ کے لائے ہوئے نئے نظام کے خوش گوار اثرات کا استعارہ بھی ہے۔ سو آپ ﷺ کی آمد مسعود بہار سے کسی طرح کم نہیں، اور دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ بہار کا منظر انسانی قلب و ذہن کو تازگی عطا کرتا ہے۔ تازگی، فرحت، رنگ و نکہت، طمانیت اور فطرت کے خوب صورت مناظر کے بعد نعت جیسے پاکیزہ مضمون کا روح کو سرشار اور معطر بنانا عین فطری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہاریہ تشبیہ موضوع نعت سے مطابقت میں دیگر سب موضوعات پر مقدم ہے۔ قاسم نانوتوی نے فطری مناظر کی تصویر کشی میں شعری جمالیات اور تخیل کی رنگ آمیزی کو ملحوظ رکھا ہے، جس سے قاری کی دل بستگی کا پورا سامان ہو گیا ہے۔ چند شعر دیکھیے:

خوشی سے مرغ چمن ناز ناز گاتے ہیں
کف ورق سے بجاتے ہیں تالیاں اشجار
سبھ کے تخم بشر کیا عجب جو مر دوں کو
قوائے نامیہ دیں اب کی بار برگ و بار
شرار دانہ بارود کو لگیں ہیں پھول
عموم فیض بہاری سے آگ ہے گلزار
کمر پہ بار گراں بوئے گل، تلے پھسلن
نہ لڑکھڑائے کہاں تک ہو ادم رفتار⁹

بہاریہ تشبیہ لکھنے والے دیگر قصیدہ نگاروں میں امیر مینائی، محسن کاکوروی، نظم طباطبائی، عزیز لکھنوی اور محمد مصطفیٰ جوہر کے نام نمایاں ہیں۔ بہاریہ منظر کشی میں نعت کے موضوع سے مناسبت کی صورت تو ہے ہی لیکن ساتھ ہی ساتھ شعر کے لیے جولانی طبع کے بھی مواقع موجود ہیں۔ شعرا نے بہار کو اپنی فنی مہارت، زور بیان اور علمیت کے جادو جگانے کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ گویا یہ موضوع شعر کی نفسیاتی طمانیت کا ذریعہ ٹھہرا ہے۔

پند و نصائح

اُردو نعتیہ قصائد میں حکمت و اخلاق کی حامل تشابہ کی بھی کمی نہیں۔ یہ موضوع بھی نعت سے فکری مماثلت رکھتا ہے۔ فلسفہ اخلاق کی تعلیم و ترویج انبیاء کرام کے ترجیحی مقاصد میں سے ایک ہے۔ یہ موضوع فکری پاکیزگی کا حامل ہے اور تزکیہ نفس کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا استعمال مہارت سے کیا جائے۔ نصیحت بذات خود ایک تکلیف دہ عمل ہے۔ قصیدہ ایک مشکل صنف سخن ہے، اُس میں ایک خشک مضمون شامل کرنا مزید مشکل امر بن جاتا ہے، کیوں کہ راہِ راست

⁸ مومن، کلیات مومن، مرتبہ۔ کلب علی خاں فائق (لاہور: مجلس ترقی ادب، 2008ء)، 295، 296۔

⁹ مولانا محمد قاسم نانوتوی، قصائد قاسمی (دہلی: مطبع مہتابی، 1309ھ)، 42 تا 4۔

سے ہٹا ہوا ذہن کسی بھی صورت نصیحت قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اس امر کے لیے قرآن مجید نے حکمت و دانائی کی شرط عائد کی ہے۔ ناصح کو چاہیے کہ وہ حکمت سے، ہمدردی سے، عملی مثال سے اور غیر محسوس انداز میں اخلاق کی ترویج کو ممکن بنائے۔ جہاں تک فلسفہ اخلاق کے موضوعات کا تعلق ہے، تو شعرانے تشبیہ میں زیادہ تر دنیا کی بے ثباتی، عشق حقیقی کی آزمائش، خوشامد کی مذمت، ترک حرص و ہوس، یادِ الہی کی اہمیت، عالی ہمتی کے فوائد کے علاوہ ثابت قدمی، عاجزی، خاموشی اور صبر و استقامت جیسے صوفیانہ مضامین بیان کیے ہیں۔ چند متفرق اشعار ملاحظہ ہوں:

عشق میں لازم ہے اول ذات کوں فانی کرے جو فنا فی اللہ دائم یادِ یزدانی کرے¹⁰

سودا:

ہنر پیدا کر اول ترک کیجو تب لباس اپنا
نہ ہو جوں تیغ بے جوہر و گر نہ ننگ عریانی
خوشامد کب کریں عالی طبیعت اہل دولت کی
نہ جھاڑے آستین کہکشاں شاہوں کی پیشانی¹¹

مصحفی:

غافل تو جا کے گور غریباں کی سیر کر
ٹوٹی ہوئی پڑی ہیں جہاں سیکڑوں مزار
ہوتی بسر ہے سب کی بہ یک نیم پارہ ناں
حرص و ہوا کو چاہے تودے جتنا اختیار¹²

صابر دہلوی:

نہ قدر رتبہ عالی ہو پست فطرت کو
کہ خاک کو نہیں ہوتا کبھی ہوا پہ قیام
دو چند مرتبہ چاہے تو اپنی جنس سے مل
کہ ہوویں ایک سے دو حرف باعث ادغام
دنی سے فائدہ ہو سر بلند سے تکلیف
ہو آسیا و فلک سے ہزار نسبت تام¹³

فکر و فلسفہ کا موضوع

نعتیہ قصائد میں فکر و فلسفہ کا موضوع بھی موجود ہے، خاص کر زندگی کے بارے میں قصیدہ گو شعرانے کے ہاں فلسفیانہ نقطہ نظر کی مختلف جہتیں موضوع بحث بنی ہیں۔ تصورِ خدا، تخلیق کائنات، جبر و قدر، فنا و بقا اور آفرینش، وہ بڑے موضوعات ہیں جن کے بارے میں فلسفیانہ اظہار کی صورتیں سامنے آئی ہیں۔ اردو شاعروں میں صرف اقبال ایک فلسفی شاعر ہیں، لیکن ان کے ہاں نعتیہ قصیدہ مروجہ ہیئت میں دستیاب نہیں۔ شاعر مد ارسا کے قصیدے "عجاز عشق" میں فلسفے کا تاریخی ارتقا بیان ہوا ہے، اور اس میں نعت کے مضامین بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ نظم طباطبائی، علی حامد سندیلوی، سرکشن پرشاد شاد، فرید مانک پوری، عزیز لکھنوی، اقبال سہیل اور جمیل مظہری کے ہاں تشبیہ میں مختلف فلسفیانہ افکار کی جھلک ملتی ہے۔ فلسفہ عوام کا موضوع

¹⁰ ولی دکنی، کلیات ولی دکنی، مرتبہ۔ نور الحسن ہاشمی (لاہور: الو قاری پبلی کیشنز، 1996ء)، 348۔

¹¹ محمد رفیع سودا، کلیات سودا، مرتبہ۔ ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی (لاہور: مجلس ترقی ادب، 2004ء)، 2: 3 تا 5۔

¹² غلام ہدانی مصحفی، کلیات مصحفی، مرتبہ۔ نور الحسن نقوی (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1999ء)، 9: 45۔

¹³ صابر دہلوی، ریاض صابر (حیدرآباد دکن: مطبع اخبار آصفی، 1304ھ)، 276۔

نہیں خواص کا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ عوام سے متعلق ضرور ہے، کیوں کہ اس میں حیات و مہمت کے مباحث آفاقی اور عوامی نوعیت کے ہیں اور یہی امر ایسی تشابہ کو دلچسپی کے قابل بناتا ہے۔ ایسے موضوعات کا قصیدے میں جگہ پانا ایک طرف قصیدے کے کیونس کی وسعت کو اجاگر کرتا ہے، تو دوسری طرف شعر اسے عام فہم اسلوب کا تقاضا بھی کرتا ہے۔ اس طرح کی فلسفیانہ تشبیہ کا محرک شعر کے علمی اظہار کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ قصیدہ نہ کوئی درسی نظم ہے اور نہ ہی اس میں ایک فلسفے کی تمام جزئیات سموئی جاسکتی ہیں۔ اس سب کے باوجود اس طرح کے مضامین سے نعتیہ قصیدے کا دامن علم و جستجو سے ضرور مالا مال ہوا ہے۔ شعر انے فلسفے کے حوالے سے کن موضوعات میں کتنی کامیابی حاصل کی ہے، مختلف مثالوں سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

علی حامد سندیلوی نے ایک تشبیہ میں شاعر اور ہاتفِ غیبی کے مابین مکالمے کا انداز اختیار کرتے ہوئے خالق کائنات، فلسفہ تخلیق اور اس کے مراحل اور مقاصد پر خاطر خواہ بحث کی ہے۔ آغاز استنفہامیہ انداز میں ہوا ہے، جس میں ہاتفِ وحدت نے شاعر سے اُس کی تخلیق اور خالق کے بارے میں سوالات کیے ہیں۔ خدا شناسی کی طرف پیش قدمی کرتا ہوا یہ موضوع نہ صرف نعت سے مناسبت رکھتا ہے، بل کہ ہر ذی شعور کو دعوتِ فکر دیتا نظر آتا ہے۔ اس کے موضوعات آفاقیت کے حامل ہیں۔ انگریزی کے شاعر جان ملٹن نے اپنی نظم "پیراڈائز لوسٹ" میں جس طرح اپنے مذہبی خیالات پیش کیے، اسی طرح علی حامد سندیلوی نے اسلامی عقائد کو موضوع بنایا ہے۔ انھوں نے آفاقی نوعیت کے چند سوال قاری کے سامنے رکھے ہیں، جو ناصر و وجودِ باری تعالیٰ پر دلالت کرتے ہیں بل کہ انسانی فکر کو مہمیز لگانے میں بھی موثر ثابت ہوئے ہیں۔ ان کے استنفہامیہ لہجے سے اشعار کی تاثیر دو چند ہو گئی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نقطہ پُر کار ہستی کون ہے، مصدر ہے کون؟ بعد واجب کون ہے ممکن وجودِ لا جواب
عالم ارواح کا قصہ ہے تجھ کو کچھ بھی یاد محو اس کو صفحہ دل سے کیا یاں مثل خواب
چار عنصر جسم میں تیرے ہوئے کس طرح ایک شاد و وحدت ہوئے کیوں باد و آتش، خاک و آب¹⁴

اس کے علاوہ نور محمدی، الست کی رات، ازلی نبوت اور دیگر موضوعات بھی اس تشبیہ کا حصہ ہیں۔ اسلامی تہذیب و عقائد فضا پر غالب ہیں، لیکن بنیادی خطاب انسان سے ہے۔ استنفہامیہ انداز نے اسے دل چسپی عطا کی ہے، جس سے موضوع کی ثقالت قدرے کم ہو گئی ہے۔ فرید مانک پوری کے ہاں بھی کائنات کی تخلیق اور انساں کے اشرف المخلوقات ہونے کا مضمون ملتا ہے، لیکن انھوں نے اسے شعری تازگی نہیں بخشی اور سپاٹ انداز میں پیش کر دیا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

ہوائے دست قدرت سے ہوئی ذرات کو حرکت طلسم عالم امکاں میں پیدا ہو گئے جوہر
شرف تھا ذرہ ارضی کو کل ذراتِ عالم پر غبارِ ذرہ خاکی ملائک کا ہوا افسر¹⁵

مہاراجہ سرکشن پر شاد شاد کے نعتیہ مجموعے "ہدیہ شاد" میں 70 شعروں کا ایک نعتیہ قصیدہ موجود ہے جس کی تشبیہ میں تلاش وجود کا فلسفہ بیان ہوا ہے۔ 37 شعروں کی تشبیہ شاعر کے داخلی احوال کی داستان سناتی نظر آتی ہے، جس میں انھوں نے

¹⁴ سید علی حامد سندیلوی، قصیدہ نعتیہ (ہردوئی: مقبول المطابع پریس، 1921ء)، 938۔

¹⁵ عبدالکفور فرید مانک پوری، فضائل حیدری (لکھنؤ: انڈین پریس، سن)، 24۔

حقیقت کی جستجو، جبر و قدر، مذہبی رواداری اور انسانی عظمت کے حوالے سے حقیقت پسندانہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔
مثالیں دیکھیے:

میں وہ شہباز باغ وحدت ہوں کہ ہوں آزاد کچھ نہیں مجبور
ہوں امانت کا اپنی میں مزدور کہیں خسر و ہوں اور کہیں ہوں وزیر
کہیں کاشی مقام ہے میرا کہیں کعبہ ہوں، قبلہ جمہور¹⁶

شکایتِ زمانہ

شکایتِ زمانہ، نعتیہ قصائد میں ایک اور اہم موضوع کے طور پر نظر آتا ہے۔ جس عہد میں اہل کمال ناقدری کا شکار ہوں، اخلاقی قدریں رُو بہ رُو ال اور نا اہل اقتدار و اختیار سے نوازے جائیں، تو حرفِ شکایت لب پر آنا فطری سی بات ہے۔ اسے بھی ایک سد ابہار موضوع قرار دیا جاسکتا ہے، کیوں کہ صوفیاء کے نزدیک ہر آنے والا دور قحط الرجال کی طرف گامزن ہے۔ عالی ظرفوں اور اہل دل کے اٹھ جانے سے خود غرض اور انسانیت نا آشناؤں کا معاشرے میں شور و شر کا ہنگامہ برپا کرتے پھر ناباعث تشویش ہے۔ اس تشویش کی بازگشت نعتیہ قصائد کی تشبیہ میں اکثر سنائی دیتی ہے۔ اس رُجحان کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ غم ذات کے اظہار سے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے، گویا یہ بھی شاعر کے کتھار سس کی ایک صورت ہے، اور دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ استغاثہ کے ذریعے استمداد طلب کی جائے اور مدد کے کی صورت نکالی جائے۔ مصحفی کے ایک قصیدے میں اپنی فنی عظمت کے عدم اعتراف پر شکایت کرتے ہوئے حاسدین کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ یہ اشعار دیکھیے:

بعضوں کو گماں ہے یہ کہ ہم اہل زباں ہیں دلی نہیں دیکھی ہے زباں داں یہ کہاں ہیں
سینفی کے رسالے پہ بنا ان کی ہے ساری سو اس کو بھی گھر بیٹھے وہ آپ ہی نگر اں ہیں
اک ڈیڑھ ورق پڑھ کے وہ جامی کا رسالہ کرتے ہیں گھمنڈ اتنا کہ ہم قافیہ داں ہیں¹⁷

مصحفی کی اس تشبیہ کا محرک بلاشبہ اُن کی معاصرانہ چشمک کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ سودا کے شاگردوں اور انشا کے ساتھ اُن کے ادبی مناقشوں کو سامنے رکھیں تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مصحفی اپنے ہم عصروں سے نالاں رہے، جس کی ایک وجہ برتری کا زعم بھی ہے۔ مصحفی کے اعتراضات اور شکایت محض کھوکھلی جذباتیت کے سوا کچھ نہیں کیوں کہ سودا اور انشادوں فنی و فکری لحاظ سے نابغہ روزگار شخصیات ہیں اور مصحفی سے کسی طرح کم نہیں۔ بہر حال اُنہوں نے اپنا مافی الضمیر بیان کر کے اپنے کتھار سس کی صورت پیدا کر لی۔ سوال یہ ہے کہ نعت جیسے بابرکت موضوع کے ساتھ شکوہ شکایت اور طعن و تشنیع کا رُجحان کس حد تک روا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شکایت اگر ظلم کے خلاف ہو اور اُس میں اجتماعی اظہار کی صورت موجود ہو، جیسے کہ واقعہ کر بلا سے متعلق نظموں میں ہوا ہے، کہ جن میں ابن زیاد، یزید اور ظالم کے آلہ کاروں کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے، تو اس رویے کا جواز بنتا ہے۔ مصحفی کا معاملہ الگ ہے۔ اُن کے ہاں خود پسندی، احساس برتری اور ہٹ دھرمی کا رویہ موجود ہے۔ انہوں نے انشا کی صلح کی پیش کش ٹھکرادی اور فتنہ و فساد کو ناحق طول دیا۔ اس طرح کی بے جا شکایت قابلِ تحسین نہیں۔ یہاں ہم اسیر

¹⁶ مہاراجہ کشن پرشاد شاد، ہدیہ شاد (حیدرآباد، محبوب پریس، 1317ھ)، 168-170۔

¹⁷ مصحفی، کلیاتِ مصحفی، 36:9۔

لکھنوی کی تشبیہ کا ذکر کرتے ہیں۔ انھوں نے بھی شکایت زمانہ کا مضمون باندھا ہے، لیکن اُس میں حقیقت نگاری کا عنصر موجود ہے۔ وہ روزگار کے سلسلے میں پریشان حالی کا شکار ہوئے اور ضعف و ناتوانی نے جب زندگی کی ہمہ ہی چھین لی تو وہ شکوہ کنناں ہوئے، جسے ایک فطری امر قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایک تو وہ درویش طبع انسان تھے، دوسرا ان کے ہاں زمانے کے احوال اگر آئے ہیں تو حقیقت نگاری کے طور پر آئے ہیں اور انھوں نے ذاتی تعصب سے بالاتر ہو کر سماجی، انسانی رویوں کی ترجمانی کی ہے۔ انھوں نے انسانی نفسیات کے جو مشاہدے پیش کیے ہیں وہ ایک دم درست اور ناقابل تردید ہیں۔ انھوں نے معاشرے میں بڑھتی ہوئی نفرت، بے حسی اور بدگمانی کو نہایت مؤثر تمثیلوں سے اُجاگر کیا ہے۔ گویا ان کا کردار ایک اصلاح کار کا سا ہے۔ مثالیں دیکھیے:

شریک حال کب آفت زدوں کا کوئی ہوتا ہے بجائیں ناخدا بغلیں اگر کشتی ہو طوفانی
یہ رسم ترک الفت ہے کہے سو شعر اگر شاعر ملے مصراعِ اوّل سے نہ کوئی مصراعِ ثانی
تماشائی ہیں گلزار جہاں کے بدگماں ایسے کریں شبہم سے گل پر تہمتِ آلودہ دلمانی¹⁸

فخر و تعلق کا موضوع

فخر یہ تشبیہ اسی سے ملتا جلتا موضوع ہے، کیوں کہ دونوں کے شاخصانے انسان کی نا آسودہ خواہشات سے ملتے ہیں۔ فریڈ کے نزدیک احساس برتری بھی احساس کمتری کی ایک شکل ہے۔ اس لحاظ سے یہ موضوع نعت سے مناسبت نہیں رکھتا۔ علاوہ ازیں فخر و تعلق ایک منفی رُحمان ہے جس کی نعت میں گنجائش نہیں۔ قصیدہ گو شعرا نے تعلق کے اشعار کے بعد گریز میں اس منفی سوچ کی مذمت کرنے کے بعد نعت کا جواز نکالا ہے۔ ہاں اگر تعلق کو داخلی جذبات کی ترجمانی سے ہٹ کر محض فنی اظہار کے طور پر لیا جائے تو دوسری بات ہے، جیسا کہ صابر دہلوی کی فخریہ تشبیہ ہے۔ اسی طرح حالی کے ایک نعتیہ قصیدے میں بھرپور تعلق کے اشعار ملتے ہیں، جو صرف مخالفین پر اپنی برتری ثابت کرنے کی غرض سے لکھے گئے ہیں:

ہوں تماشائے شہر نابینا ہے برابر مرا خفا و ظہور
کون دیکھے مرے چمن کی بہار مر گیا عندلیب نیشاپور
شرح نقطہ کی گر کروں تحریر تنگ ہو عرصہ نقوش و سطور¹⁹

حالی کا یہ قصیدہ منفی رُحمان کا عکاس ہے۔ وہ اس قصیدے کے حاشیے میں خود لکھتے ہیں کہ یہ اشعار انھوں نے ہم عصر حاسدین کو سنانے کے لیے کہے تھے، مگر غلطی کا احساس ہوا تو نعت کہہ کر خاتمہ کیا۔²⁰ گویا حالی جیسا درویش منش بھی نزگیت کا شکار ہے، حالاں کہ فخر و غرور اور لاف زنی کا رویہ زندگی کے کسی مرحلے میں قابلِ داد نہیں، کجا اسے نعت میں بیان کیا جائے۔

نواب صفدر علی خاں، جن کا تعلق ریاست رام پور کے نواب گھرانے سے تھا، انھوں نے بھی فخریہ تشبیہ کہی ہے، جو کمالِ مبالغہ کی حامل ہے۔ اسے اگر فن برائے فن کی کسوٹی پر رکھا جائے تو حالی سے کہیں آگے کی چیز ہے۔ یہ تعلق سخن گسترانہ ہے۔ یہ بات اس لیے درست ہے کہ نواب صفدر کی کسی سے معاصرانہ چشمک نہیں تھی۔ انھوں نے اس لاف گزار کو اہل سخن کی رسم کے

¹⁸ سید مظفر علی اسیر لکھنوی، مجمع البحرین (لکھنؤ: نول کشور، سن)، 2: 3، 2۔

¹⁹ مولانا الطاف حسین حالی، دیوانِ حالی (لاہور: نذیر سنز پبلشرز، 1992ء)، 159 تا 161۔

²⁰ حالی، دیوانِ حالی، 159۔

طور پر لیا ہے۔ اُن کے ہاں تعلقی برائے فن کارویہ گراں نہیں گزرتا۔ صفدر نے منطق، معنی، کشف، فلسفہ اور علم لغت و حدیث میں یکتائی کا دعویٰ کیا ہے۔ اُن کے کلام سے چند اشعار دیکھیے، جن میں تقابل و موازنہ کارنگ نمایاں ہے:

میرے محیط فکر میں رود کی ایک موج ہے میرے بیاض شعر کا جزو ہے ایک عنصری
جامی والی و کمال، قاسم و فطرت و ظہیر شرم سے سب ہیں سرنگوں خاک کریں گے ہم سری
حق کے تلامذہ جو ہیں اُن میں وحید عصر ہوں ملتی مجھے نبی کے بعد ہوتی اگر پیہبری
ایسے سخن اگر کہے میں نے تو کیا مضائقہ اہل سخن کی رسم ہے لاف و گزاف شاعری²¹

فخریہ تشبیب لکھنے والوں میں ہوش بریلوی، سر و سہارن پوری، حالی، عبد الہادی وفا، صفدر رام پوری اور ولی الرحمن کے نام نمایاں ہیں۔

داخلی احوال کا بیان

بعض شعرا کے ہاں داخلی احوال کا بیان تشبیب میں بطور موضوع استعمال ہوا ہے۔ ہر شاعر کا داخلی تجربہ الگ الگ ہوتا ہے، پھلے اُس کا خارجی محرک ایک ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی نوعیت کے غم کو ہر شاعر نے اپنے انداز میں پیش کیا ہے۔ میر و غالب کے ہاں نظریہ غم کا اختلاف اس کی عمدہ مثال ہے، لیکن یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ تجربے کی سان پر ہی سوز و گداز کی دھار تیزی پکڑتی ہے، یعنی داخلی جذبہ تاثر کی شدت سے مملو ہوتا ہے۔ شفیق جو پوری (م 1963) نے نعتیہ قصیدے کی تشبیب میں اپنے 18 سالہ بیٹے کی وفات اور اس دنیا سے رخصتی کا الم ناک منظر بیان کیا ہے۔ چون کہ اُن کا غم داخلی تجربے کا حامل ہے، اس لیے اس کی تاثر اور شدت دو چند ہے۔ انھوں نے "شام" اور "تہائی" کے استعاروں میں ایک باپ کے دکھ کو بخوبی عیاں کیا ہے:

خدا حافظ نہ رہے نہ کوئی ہم سفر تیرا وہ تاریکی کہ گم ہو جائے خود آنکھوں کی بینائی
تجھے تو نیند بھی مشکل سے تہائی میں آتی تھی یہ نامانوس، یہ انجان بستی کیوں پسند آئی
نگہ ہاں چپ، گلی سنسان، چلمن سر پٹکتی ہے چلا ہے لے کے سارے گھر کی رونق کوئی سودائی²²

عالم گیر خان کیف (م 1940ء) کی داخلی کیفیت جدا ہے۔ انھوں نے نعتیہ قصیدہ لکھتے ہوئے عجز و انکسار کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ انھیں میدانِ نعت میں اپنی کم مائیگی اور زبان و بیان کی تنگ دامنی کا بخوبی احساس ہے، جس کا اظہار انھوں نے یوں کیا ہے:

زباں ناچیز، میں انسان، منہ ناچیز مجھ بدکا بھلا پھر مجھ سے وصف پاک ہو کیوں کر محمد کا
صفت خورشید عالم تاب کی ذرہ سے کیا ہوگی غبار اٹھ کر نشان کیا پائے گا چرخ زبرجد کا
یہ وہ میدان ہے جس میں عالم و سعادت بھی تنگی ہے یہ وہ حد ہے کہ جس کو بے حدی سے ربط ہے حد کا²³

عصری حسیت

²¹ نواب صفدر علی خاں، کلیات صفدر (لکھنؤ: مطبع نول کشور، سن)، 507۔

²² شفیق جون پوری، خرمن (لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، 1964ء)، 133، 132۔

²³ عالم گیر خان کیف، وسیلہ شفاعت (آگرہ: مطبع انوار محمدی، 1328ھ)، 2۔

اکثر شعرا نے اپنی شاعری میں سیاسی و سماجی واقعات کی تفصیل بیان کر کے اس میں روح عصر کو سمو یا ہے۔ منیر شکوہ آبادی (م 1880ء) کا نام اس حوالے سے سرفہرست ہے۔ انھوں نے اپنے نعتیہ قصیدے "فریاد زندانی" میں داخلی و خارجی احوال کو موضوع بناتے ہوئے بھرپور عصری شعور کا ثبوت دیا ہے۔ تشبیب کے ایک سوتیرہ اشعار مغلیہ سلطنت کے زوال اور شاعر کے کالے پانیوں میں ایام اسیری کے الم انگیز تجربے کی خونچکاں داستان سے عبارت ہیں۔ تشبیب ہذا نعتیہ قصیدے کی روایت میں موضوع کی اہمیت کے حوالے سے انفرادیت کی حامل قرار دی جاسکتی ہے، جسے منیر کی سخن دانی اور قادر الکلامی نے خاصے کی چیز بنا دیا ہے۔ قصیدے کی فنی صفات کے حوالے سے یہ تشبیب موزوں تشبیہات، نادر استعارات، نازک خیالی، حسن تعلیل، مبالغہ آرائی اور زور بیان سے آراستہ ہے۔ فکری سطح پر منیر نے امر کی سہل پسندی، ذاتی مفادات اور عیش کوشی کی روش کو مغلیہ سلطنت کے زوال کے اسباب میں شمار کیا ہے۔ باہمی خلفشار، فرقہ واریت اور اجتماعی سوچ کے فقدان نے ہندوستان کی سیاسی بساط اُلٹ دی اور نوکر مالک بن گئے۔ حکمران اور امر اپابند سلاسل کر دیے گئے۔ انگریزی عمل داری کے دور میں بادشاہ خود وظيفہ خوار تھا جو ملازمین کو تنخواہیں تک نہیں دے پاتا تھا۔ بعض اوقات تو اہل سخن کی دادرسی کے لیے بادشاہ کو خاندانی زیورات تحفے میں دینے پڑے۔ منیر نے اہل کمال اور امر کی کس مپرسی اور زوال کا جو نقشہ پیش کیا ہے، اُس کی مثالیں دیکھیے:

چنے کھانے کو ترسیں صاحبان گوہر عالی صدف کو دے نوالہ موتیوں کا ابر نیسانی
بنائیں بیڑیاں تلواروں کو تڑوا کے گردوں نے کیا ارباب جوہر کو ہر اک حیلے سے زندانی
ہوئے فاقہ کشوں کے پیٹ نعمت خانہ نشاہی بنی ہے کیسہ مفلس در دولت کی دربانی
پریشانی کے ٹھیکہ میں ہر اک دربار مجمع ہے اجارہ بستنیوں کالے کے خوش پھرتی ہے ویرانی²⁴

اس تشبیب کا دوسرا حصہ جزیرہ انڈیمان کے احوال کے بارے میں ہے۔ انھوں نے وہاں کی برسات، بیماری، جغرافیائی حالات، ناقص غذا اور موسمی اثرات کی عمدہ تصویر کشی کی ہے۔ قید فرنگ کے مظالم اور قیدیوں کے ناگفتہ بہ حالات کی جزئیات موثر انداز میں بیان کی گئی ہیں:

کر واڑہ کشی یا مٹی کھودو، چکیاں پیسو اگر ہو جاں بہ لب منھ میں نہ پکائے کوئی پانی
لب شیریں کے بوسوں سے بھی بڑھ کر گڑ کی دقت ہے نہ پائیں صورت فرہاد اگر سر پھوڑیں زندانی
یہاں ارباب لندن کی بھی رنگت تیرہ ہوتی ہے بنے مشکلی اگر نقرہ دکھائے اپنی جولانی²⁵

کلیم الدین احمد کے خیال میں اردو قصیدے کی تشبیب میں بڑے موضوعات کی گنجائش تھی، لیکن اردو قصیدہ نگاروں نے اس وسعت سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا۔²⁶ اگر وہ منیر اور نظم طباطبائی کی تشابیب پر نگاہ کر لیتے تو اُن کا نقطہ نظر مختلف ہوتا۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ منیر کے بعد اور کسی نے بھی عصری صورت حال کی حامل اس روایت کو نہیں اپنایا، البتہ محسن کاکوروی نے نعتیہ قصیدے میں ہندی عناصر سمونے کا تجربہ کیا ہے۔ محسن کاکوروی کے نعتیہ قصیدے "مدتخ

²⁴ منیر شکوہ آبادی، کلیات منیر (لکھنؤ: مطبع ثمر ہند، 1296ھ)، 8۔

²⁵ منیر، کلیات منیر، 11 تا 13۔

²⁶ کلیم الدین احمد، اردو شاعری پر ایک نظر (پٹنہ: بک امپوریم سبزی باغ، 1985ء)، 1: 145۔

خیر المرسلین" کی تشبیہ میں ہندومت کی صنم یات کا بھرپور ذکر ملتا ہے، جن میں گوکل، متھرا، کاشی، کرشنا، گنگا جل، گوپیوں، سری کرشن، کنہیا، جمنا، راجہ اندرا اور امتل نمایاں ہیں۔ ڈاکٹر ابولیتھ صدیقی نے اسے ذوق اور سودا کی تشبیہ سے زیادہ زور دار قرار دیا ہے۔²⁷ اگرچہ محسن سے پہلے سحر لکھنوی اپنے قصیدہ "در صفت بہار" میں ہندی صنم یات کا کامیاب تجربہ کر چکے تھے لیکن نعتیہ قصیدے میں یہ پہلی کاوش تھی۔ اس کے بعد نظم طباطبائی نے بھی اسے برتا ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر مختار الدین کے ہاں بھی قریب قریب یہی مضامین بیان ہوئے ہیں۔ جب محسن نے نعتیہ قصیدے میں ہندی تہذیب کا ذکر کیا تو ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور اسے کفریہ تشبیہ قرار دے دیا گیا۔ اس پر محسن کو ہندی اصنام پر مسلم تہذیب کے غلبے کا جواز پیش کرنا پڑا۔ اپنے منفرد مضمون اور زور دار اسلوب کی بدولت یہ تشبیہ نعتیہ قصیدہ نگاری میں اہم مقام رکھتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مخلوط معاشرتی نظام میں باہمی اثرات کا اثر و نفوذ عام سی بات ہے۔ ہندو مسلم ثقافت میں لباس، کھانے، تہوار اور ادب میں تلمیحات تک مشترکہ ورثے کے طور پر سامنے آئی ہیں۔ دکنی شعر کی طرح محسن نے بھی مقامی اثرات قبول کیے، لیکن قابلِ ستائش بات یہ ہے کہ مقامی نظریات قبول نہیں کیے۔ چند اشعار دیکھیے:

سمت کاشی سے چلا جانے متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل
دیکھیے ہو گا سری کشن کا کیوں کر درشن
سینہ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل²⁸

محسن کا کوروی پر ہندی تہذیب سے متاثر ہونے کا الزام لگا تو انھوں نے اپنی تشبیہ کے تخلیقی محرک سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ انھوں نے ہندی تہذیب پر مسلم تہذیب کے غلبے کا مضمون باندھا ہے، جسے غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ امیر مینائی نے بھی محسن کے حق میں قصیدہ "بانت سعادت" کی تشبیہ کے عشقیہ و فراقیہ مضامین کو بطور دلیل پیش کیا۔

عشقیہ و رندانہ مضامین

نعتیہ قصیدے کی روایت میں عشقیہ و رندانہ مضامین کی حامل تشابہ بھی کثرت سے ملتی ہیں۔ مظہر علی ولا، مصحفی، ممنون، امیر مینائی، محسن کا کوروی، سخن دہلوی، عزیز لکھنوی، جعفر قدسی جاسسی، صادق حسین غبار، محشر لکھنوی اور ولی الرحمن کے ہاں عاشق کی مجبوری، محبوب کے سراپا، اس کے مظالم اور ساقی نامہ کے مضامین عمدگی سے ادا ہوئے ہیں۔ نعت سے قبل مذکورہ مضامین کا کوئی خاطر خواہ جواز نہیں بنتا، مگر اتنا کہ گریز میں شاعر اپنے خیالات کو فرسودہ اور باطل قرار دے دے اور اکثر شعرا نے ایسا کیا بھی ہے۔ شعرا کے ہاں اس طرح کی تشابہ کا بڑا جواز قصیدہ بانت سعادت ہے۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت کعب بن زہیر نے جو قصیدہ بانت سعادت پیش کیا، اُس کی تشبیہ میں محبوب کے سراپا اور ہجر گزیدگی کے اشعار موجود تھے۔ فنی لحاظ سے بھی تشبیہ کے موضوع کے انتخاب میں شاعر کو آزادی حاصل ہے۔ انھی مذکورہ عوامل کی بنا پر عشقیہ تشابہ سامنے آئی ہیں۔ نعت کے ساتھ عشقیہ مضامین رقم کرنے کا مقصد صرف اور صرف قاری کی توجہ حاصل کرنا ہے۔ ایک طویل قصیدے کو سننا سامعین کے لیے بھی ایک کڑا مرحلہ ہوتا ہے، جسے آسان اور دلکش بنانے کے لیے عشق و محبت کے مضامین کام

²⁷ ڈاکٹر ابولیتھ صدیقی، لکھنؤ کا دبستان شاعری (علی گڑھ: مسلم یونیورسٹی، 1944ء)، 322، 323۔

²⁸ محسن کا کوروی، کلیاتِ نعت محسن کا کوروی، مرتبہ۔ نور الحسن (لکھنؤ: اتر پردیش اکادمی، 1982ء)، 95 تا 99۔

میں لائے جاتے ہیں۔ محبت کے جذبے میں ایک خلوص اور سچائی تو ہے، جس سے کسی صورت انکار ممکن نہیں، لیکن بے جا سراپا نگاری جس کا مقصد لذت کوشی کے سوا کچھ نہ ہو، قطعاً قابلِ تحسین نہیں۔ ممنون نے تو ایک قصیدے میں حد کر دی کہ اپنے محبوب کے سراپا میں سینہ، ساق، سرین، ناف اور انگلیا تک کو موضوع بنایا ہے۔ مثال میں چند شعر دیکھیے کہ جن میں جذبوں کی اٹھان اور تخیل کی بلند پروازی تو ہے مگر مقصدیت کا فقدان ہے:

چین سے ایک جش تک تھی عجب سیدھی راہ مانگ کا خط وہ جہیں سے جو گیا چوٹی تک
وہ صراحی گلو یا کہ بلوریں فانوس کہ نظر شعلہ آواز کی آتی تھی بھڑک
اللہ نزاکت کہ کمر پر اس کی کہیں ہل جاوے جو چوٹی وہیں آجائے لچک²⁹

اسی طرح عزیز لکھنوی کے قصیدے "مرات الصفا" میں شبِ ہجر میں عاشق و محبوب کے احوال کی عمدہ منظر کشی موجود ہے۔ انھوں نے تقابلی انداز اختیار کرتے ہوئے محبوب اور محب کی داخلی واردات کو بڑے موثر پیرائے میں پیش کیا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

وہاں پھولوں کو رنگِ رخ کسی کا کھینچ لایا ہے یہاں ہے خون دل سے بسترِ فرقت پہ گل کاری
یہاں ہے نالہ ہائے دل کو شوقِ آسمانِ گردی نزاکت کو ادھر آواز سے ہے میری بے زاری
وہاں وہ چھاؤں میں تاروں کی مست خواب آسائش یہاں نفرت کش ایڈائے فرقت کو بیداری³⁰
عاشق کی مہجوری کی منظر نگاری جعفر قدسی جانیسی کو بھی بہت مرغوب ہے۔ انھوں نے اپنے قصائد کو جاذبیت عطا کرنے کے لیے یاس و حرماں کے مضامین خوبی سے نظم کیے ہیں۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

سربالین عاشق کون ہے جڑ بے کسی ہدم مریضِ عشق کی ہوتی ہے کیا یوں ہی خبر داری
تغافل کی کوئی حد ہے اثر لیتے نہیں سُن کر وہ افسانہ کہ ہر فقرہ ہے جس ک نشتر کاری
نمکِ پاشِ جراحت ہائے دل شورِ محبت ہے مرے زخموں کو اب ہونے لگی مرہم سے بیزار ی³¹

تخیلاتی منظر کشی

عشقیہ تشبیب کے علاوہ اردو نعتیہ قصائد میں تخیلاتی منظر نگاری بھی ملتی ہے۔ اس کے مختلف انداز ہیں۔ مثال کے طور پر غلام امام شہید کی بہاریہ تشبیب میں ایک خیالی محل کا ذکر ہے، جس کی آرائش کی ذمہ داری ایک خوب رُونوجوان کے ذمے ہے، اور وہ حضرت عیسیٰ ہیں۔ ولی الرحمن نے نیکی کی دلہن کا سراپا بیان کیا ہے جو آں حضرت ﷺ پر فریفتہ ہے، اور امتِ مسلمہ کی مغفرت کے لیے دعا گو ہے۔ آرزو اکبر آبادی کے ہاں ستاروں کی منظر کشی ملتی ہے۔ یہی نہیں قصیدہ گو شعرا نے اپنے قصائد کو مرصع کرنے کے لیے مناظرے اور مکالمے کی تکنیک سے بھی استفادہ کیا ہے۔ منیر شکوہ آبادی نے حیات و مرگ، عزیز لکھنوی نے حسن و عشق اور محشر لکھنوی نے گل و بلبل کے مابین مباحثے کا اہتمام کیا ہے۔ یہ مکالمے دعویٰ و دلیل کا دلچسپ انداز لیے

²⁹ میر نظام الدین ممنون، کلیات ممنون، مرتبہ۔ محمد اکبر الدین صدیقی (حیدرآباد دکن: نیشنل فائین پرنٹنگ پریس، 1972ء)، 1: 40 تا 42۔

³⁰ عزیز لکھنوی، صحیفہ ولّٰ (الہ آباد: کتابستان، سن)، 33۔

³¹ سید محمد جعفر قدسی جانیسی، قصائد قدسی (آگرہ: شمسی پریس، سن)، 1۔

ہوئے ہیں۔ نعتیہ قصائد میں اظہارِ عجز کا مضمون اکثر مدح یا دعا میں برتا گیا ہے، البتہ صبا کبر آبادی اور اعظم چشتی تشبیہ میں ہی اپنی کم علمی اور کم مائیگی کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔

خلاصہ بحث

اردو نعتیہ قصیدے کی تشبیہ متنوع موضوعات کی حامل ہے۔ شعرانے اس میں اپنی علمی، فنی اور شاعرانہ مہارتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ بہار کی منظر نگاری کا مضمون مختلف شعرانے مختلف انداز میں باندھا ہے، جو بلند تخیل، مبالغہ آرائی، زور بیان اور پُر شکوہ لفاظی سے آراستہ ہے۔ حکمت، نصیحت اور اخلاق کی حامل تشبیہ کی بھی کمی نہیں۔ یہ دونوں مضامین تشبیہ موضوع نعت سے بہت مناسبت رکھتے ہیں۔ عشقیہ تشبیہ بھی کثرت سے لکھی گئی ہیں۔ ان کا مقصد محض قاری کی توجہ حاصل کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ فخریہ اور شکایت زمانہ کے مضامین شعر کی احساس کم تری کا پتہ دیتے ہیں۔ منیر شکوہ آبادی اور محسن کاکوروی نے سیاسی و مقامی ہندی تہذیب کے موضوع اپنا کر نعتیہ قصیدے کے کینوس کو وسعت دی۔ عزیز لکھنوی، نظم طباطبائی، علی حامد سندیلوی، فریدمانک پوری اور اقبال سہیل نے تخلیق کائنات اور حیات و مرگ کے بارے میں فلسفیانہ خیالات قلم بند کیے۔ خالد احمد نے مختلف تشبیہ بہاریہ میں سادگی اور بے ساختگی کو اپنا کر جدید قصیدے کے خدو خال متعارف کروائے ہیں، لیکن ابھی بھی صنفِ قصیدہ میں نئے تجربات کی بے پناہ گنجائش موجود ہے۔